Volume 04, Issue 01,
January-March 2026
PP: 209-227
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X
https://doi.org/10.63283/IRJ.04.01/11

Article QR

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں حاکم ورعایا کے باہمی فرائض

Mutual Responsibilities of the Ruler and the People in the Light of the Seerah of the Prophet ﷺ

Kashifa Sadiq[1], Dr. Hafiz Muhammad Siddique[2]*
Dr. Khawaja Saif ur Rehman[3]

Article History

Received
13-03-2026

Accepted
30-03-2026

Published
31-03-2026

Abstract & Indexing

Abstract

This article explores the mutual duties of the rulers and the people in the light of the Seerah of the Prophet Muhammad (ﷺ). The Seerah offers an ideal model of Islamic governance in which authority is closely linked with responsibility, trust, and accountability. As a ruler, the Prophet (ﷺ) established justice, equality, consultation, and public welfare as the fundamental principles of governance, while guiding the subjects toward obedience, sincerity, discipline, and a sense of collective responsibility. The study highlights that in an Islamic system, the primary duty of the ruler is to implement divine commands, ensure justice, protect the rights of the weak, address public needs, and avoid oppression and tyranny. Likewise, the subjects are obliged to obey the ruler in lawful matters, refrain from rebellion and disorder, and contribute positively to social harmony and stability. The Seerah of the Prophet (peace be upon him) clearly reflects a relationship between ruler and subjects based on mutual trust, goodwill, and moral values, which are essential for the strength and continuity of any state. The article concludes that when both rulers and subjects fulfill their respective duties according to the Prophetic model, society can achieve justice, peace, and prosperity, and many contemporary political and social challenges may be effectively addressed through these timeless principles.

Keywords:

Seerah of the Prophet Muhammad (PBUH), Islamic Governance, Mutual Duties, Rulers, People, Social Justice, Welfare State, Public Responsibility.

[1] *PhD Scholar Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur.*
[2] *Lecturer Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur.* ****Corresponding Author***
hm.siddique@iub.edu.pk
[3] *Lecturer Islamic Studies, Department of Social & Allied Sciences, Cholistan University of Veterinary & Animal Sciences, Bahawalpur.*

All Rights Reserved © 2026 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

تعارف موضوع

یہ مقالہ "سیرتِ النبی ﷺ کی روشنی میں حاکم ورعایا کے باہمی فرائض "اسلامی نظامِ حکومت کے فکری و عملی پہلوؤں پر ایک جامع تحقیق ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے ذریعے حاکم ورعایا کے تعلقات کے وہ اصول واضح کیے جائیں جو عدل، مساوات، مشاورت، امانت داری اور خیر خواہی پر مبنی ایک متوازن معاشرتی وسیاسی نظام کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ رسولِ محترم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں حکمرانی اور عوامی خدمت کا جو عملی نمونہ موجود ہے، یہ تحقیق اس کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرے گی تاکہ موجودہ دور کے نظامِ حکومت کے لیے قابلِ تقلید رہنمائی فراہم کر سکے۔

اس مقالہ میں سیرتِ نبوی ﷺ کے تناظر میں ریاستی ذمہ داریوں، عدالتی نظام، معاشرتی مساوات، رعایا کی فلاح اور حکمران کے اوصاف و کردار جیسے بنیادی موضوعات پر تحقیقی و تجزیاتی گفتگو پیش کی جائے گی۔ اس میں اسلامی سیاسی فلسفے کے ساتھ ساتھ جدید سیاسی نظریات کے تقابلی مطالعے کے ذریعے یہ دکھایا جائے گا کہ سیرتِ نبوی ﷺ کس طرح ایک ایسا نظام فراہم کرتی ہے جو انسانی برابری، عدلِ اجتماعی اور باہمی تعاون پر مبنی ہے۔

منہجِ تحقیق کے طور پر تاریخی، تجزیاتی اور استنباطی (Analytical & Deductive) طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔ بنیادی مآخذ میں قرآن وسنت، کتبِ سیرت، تفاسیر اور معتبر اسلامی فکری ذخیرہ شامل ہوگا، جبکہ ثانوی مآخذ کے طور پر جدید علمی مقالات اور تحقیقی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ امت مسلمہ کے معروضی حالات کے تناظر میں سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک ہمہ گیر فکری و عملی ماڈل وقت کی عین ضرورت ہے۔ ایک ایسا سیاسی لائحہ عمل جو جدید مسلم ریاستوں میں حکمرانی اور عوامی خدمت کے اصولوں کو از سرِ نو استوار کرنے کا ذریعہ بنے۔ حاصلاتِ بحث اور سفارشات مقالہ کے آخر میں تحریر کیے جائیں گے۔

المبحث الاول: اسلامی نظریہ حکومت، تعارف اور بنیادی اصول

1. خلافت وامارت کا تصور

خلافت ایک نہایت اہم اسلامی اصطلاح ہے جس کا لغوی مفہوم نیابت اور جانشینی ہے۔ عربی مادہ "خلف" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے بعد اس کی جگہ سنبھالے، اسی مناسبت سے جو کسی کے بعد اس کے منصب یا ذمہ داری کو سنبھالے اسے "خلیفہ" کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اس اصطلاح کا استعمال مختلف معانی میں ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو "خلیفہ" قرار دینے سے یہ مفہوم اخذ کیا گیا ہے کہ انسان کو زمین پر ایک خاص مقام اور ذمہ داری عطاء کی گئی ہے، خواہ یہ سابقہ مخلوق (جنات) کی جگہ آبادکاری ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر اس کے احکام کے نفاذ کی ذمہ داری۔ انسان کی خلافت کے دو نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں:

ایک تکوینی پہلو: جس کے تحت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیگر مخلوقات پر برتری دیتے ہوئے زمین، فضا اور سمندر میں تصرف اور تسخیر کی صلاحیت عطاء فرمائی۔

دوسرا تشریعی پہلو: جس کے مطابق انسان اس امر کا پابند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین و نظام کو زمین پر نافذ کرے اور انسانی معاشرے کو الٰہی ہدایات کے مطابق منظم کرے۔

قرآنِ کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ قرار دیتے ہوئے حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کریں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى [1]

ترجمہ کنزالعرفان: اے داؤد! بیشک ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) نائب کیاتو لوگوں میں حق کے مطابق فیصلہ کر اور نفس کی خواہش کے پیچھے نہ چلنا۔

اس آیت سے یہ اصولی رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلے اور اقدامات اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ احکام کے مطابق انجام دیں اور کسی صورت اس دائرے سے تجاوز نہ کریں۔ اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری حق اور عدل کا قیام ہے، اس لیے نزاعات اور اجتماعی معاملات میں انصاف پر مبنی فیصلے ناگزیر ہیں۔ مزید بر آں حکمرانوں کو اپنی ذاتی خواہشات اور نفسانی رجحانات سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ یہی عناصر انہیں راہِ حق سے ہٹا کر ناانصافی کی طرف لے جاتے ہیں۔ سابقہ امتوں میں سیاسی و دینی قیادت انبیاء کے سپرد ہوتی تھی، جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ[2]

بنی اسرائیل کے امورِ سیاست و قیادت انبیائے کرام علیہم السلام کے سپرد ہوتے تھے، جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی اس کی جانشینی سنبھال لیتا۔ لیکن میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا میرے بعد انبیاء نہیں آئیں گے، بلکہ خلفاء ہوں گے اور وہ کثیر تعداد میں ہوں گے۔

بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت کی مختلف صورتیں تھیں:

1. بعض پیغمبر خود ہی حکمران ہوئے ہیں جیسے حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت یوشع بن نون، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام
2. جبکہ بعض نبی بادشاہ گر تھے جیسے حضرت سموئیل (یا شموئیل) علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ ان پر کسی کو بادشاہ بنایا جائے تاکہ وہ اس کی قیادت میں ظالم بادشاہ جالوت کے خلاف جہاد کر سکیں، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت طالوت کو بادشاہ بنادیا جن کی قیادت میں بنی اسرائیل نے جالوت کے خلاف فلسطین میں جنگ لڑی۔ اس جہاد کی تفصیلات سورۃ البقرہ کی آیات میں بیان ہوئی ہیں۔

جناب نبی اکرم ﷺ کے مذکور الصدر ارشاد گرامی کی رو سے "خلافت" سیاسی معاملات میں آنحضرت ﷺ کی نیابت کا نام ہے اور اسلام کے سیاسی نظام کا بنیادی اصول یہ قرار پاتا ہے کہ وہ سیاسی قیادت جو اس سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیا کرتے تھے وہ جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو جانے کے باعث اب خلفاء کے ہاتھ میں ہو گی اور یہ خلفاء آپ کی نیابت کریں گے۔ چنانچہ فقہاء کرام جب خلافت کی تعریف کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ "نیابتاً عن النبی ﷺ" امت کے اجتماعی معاملات کو جناب نبی اکرم ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے چلانا۔ اسی وجہ سے خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو "خلیفۃ رسول اللہ" (اللہ کے رسول کا جانشین) کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کے بعد ان کے جانشین حضرت عمرؓ کو 'خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ' (اللہ کے رسول کے جانشین کا جانشین) کہا جانے لگا تو اُن کو الجھن ہوئی کہ تیسرے اور چوتھے خلیفہ کو کس لقب سے یاد کیا جائے گا؟ ایک دن حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں "امیر المؤمنین" کے لقب سے خطاب کیا تو جناب عمر فاروقؓ نے تعجب کا اظہار کیا اور عمرو بن العاصؓ سے اس لقب سے پکارنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے عراق سے آنے والے احباب کے اسی لقب سے سلام اور اجازت طلب کرنے کا تذکرہ کیا اور پھر اسی خطاب کا تسلسل سے استعمال شروع ہو گیا۔[3]

2. عدل، مشاورت اور امانت کے اصول

سیرتِ نبوی ﷺ میں حکمران اور رعایا کے باہمی فرائض کی بنیاد تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے: عدل، مشاورت اور امانت۔ یہ اصول اسلامی نظامِ حکمرانی کی روح ہیں اور ایک دوسرے سے گہرے طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ ان اصولوں کی عملی تصویر ہمیں مدینہ کی اسلامی ریاست میں رسول اللہ ﷺ کے طرزِ حکمرانی میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ عدل اسلامی حکمرانی کا بنیادی ستون ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عدل کو محض ایک اخلاقی صفت نہیں بلکہ ریاستی نظام کی بنیاد قرار دیا۔ آپ ﷺ کے فیصلوں میں کسی قسم کی ذاتی وابستگی، قبائلی تعصب یا معاشرتی فرق کو دخل حاصل نہ تھا۔ امیر و غریب، طاقتور و کمزور سب قانون کے سامنے برابر تھے۔ اسی عدل کے نتیجے میں معاشرے میں امن، اعتماد اور انصاف کی فضا قائم ہوئی۔ عدل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے عادل حکمران کے مقام و مرتبے کو نہایت بلند قرار دیا، تاکہ حکمران یہ سمجھ لیں کہ اقتدار کا اصل مقصد طاقت کا استعمال نہیں بلکہ انصاف کا قیام ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ ...[4]

"حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بروز قیامت جب اللہ کے (عرش) کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، تو سات طرح کے لوگ اللہ کے سائے میں ہوں گے اور ان میں سے ایک عادل امام و حکمران بھی ہو گا۔"

مشاورت اسلامی حکمرانی کا دوسرا اہم اصول ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں اہم سیاسی، عسکری اور معاشرتی امور میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ اس طرزِ عمل سے یہ سبق ملتا ہے کہ حکمران کو اپنی رائے پر اصرار کے بجائے اجتماعی دانش سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مشاورت نہ صرف فیصلوں کو زیادہ درست اور متوازن بناتی ہے بلکہ عوام میں شمولیت اور اعتماد کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ امانت کا اصول حکمران کے کردار کی بنیاد ہے۔ اسلام میں اقتدار ذاتی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ ذمہ داری ہے۔ حکمران رعایا کے جان و مال، حقوق اور مفادات کا امین ہوتا ہے۔ اگر وہ اس ذمہ داری میں کوتاہی کرے یا خیانت کا مرتکب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سخت جواب دہ ہو گا۔ سیرتِ نبوی ﷺ ہمیں یہ واضح تعلیم دیتی ہے کہ عدل، مشاورت اور امانت ہی وہ اصول ہیں جن پر ایک صالح، مضبوط اور کامیاب نظامِ حکمرانی قائم ہو سکتا ہے۔[5]

3. ریاستی نظم میں اطاعتِ امیر اور اجتماعی نظم کی ضرورت

ریاستی نظم میں اطاعتِ امیر اور اجتماعی اتحاد کی ضرورت اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی اور نہایت اہم پہلو ہے۔ اسلام فرد کو محض ذاتی عبادات تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اسے ایک منظم اجتماعی نظام کا حصہ بناتا ہے۔ اسی لیے شریعت میں اطاعتِ امیر کو صرف سیاسی ضرورت نہیں بلکہ دینی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، تاکہ معاشرہ انتشار، بدامنی اور فتنہ و فساد سے محفوظ رہے۔ احادیث میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمان پر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے سمع و طاعت لازم ہے، چاہے وہ کسی فیصلے سے خوش ہو یا ناخوش۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ، وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي[6]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

البتہ اسلام میں اطاعتِ امیر کو اندھی اطاعت نہیں بنایا گیا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے یہ اصول بھی واضح فرمایا کہ اگر امیر کسی معصیت یا کھلے گناہ کا حکم دے تو اسے نہیں ماننا۔ اس کے باوجود عمومی نظمِ اجتماعی کو توڑنے، بغاوت یا انتشار پیدا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، کیونکہ اس کے نتائج زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے ایسے ادوار کی خبر بھی دی جن میں حکمران کمزوریاں اور غلطیاں کریں گے، مگر امت کو حکم دیا کہ جب تک وہ کھلے کفر کا ارتکاب نہ کریں یا دین کے بنیادی شعائر کو پامال نہ کریں، اس وقت تک جماعت اور نظم کو قائم رکھا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے اسی نبوی تعلیم کی روشنی میں حکمرانوں کی بعض ناانصافیوں کے باوجود صبر، نصیحت اور اصلاح کا راستہ اختیار کیا اور مسلح خروج سے اجتناب کیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق ریاستی نظم کا استحکام اطاعتِ امیر، اتحادِ امت اور اجتماعی نظم کی حفاظت سے وابستہ ہے۔ یہی طرزِ عمل معاشرے میں امن، عدل اور دینی اقدار کے تحفظ کی ضمانت بنتا ہے۔[7]

4. حاکم ورعایا کے تعلقات کی شرعی اساس کا بیان

حاکم ورعایا کے تعلقات کی شرعی اساس اسلام میں نہایت جامع اور متوازن اصولوں پر قائم ہے۔ یہ تعلق محض اقتدار، سیاسی بالادستی یا نظمِ ریاست تک محدود نہیں بلکہ عدل، ذمہ داری، خیر خواہی اور جواب دہی جیسے دینی اصولوں سے مربوط ایک مقدس رشتہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حکمران اور عوام دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں جواب دہ ہیں اور انہی فرائض کی درست ادائیگی سے معاشرے میں امن، عدل اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔ احادیثِ نبویہ کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا پر لازم ہے کہ وہ اپنے حکمران کی اطاعت کرے، خواہ بعض فیصلے اسے ناپسند ہی کیوں نہ ہوں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے واضح فرمایا کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر یا امیر کی اطاعت سے نکل کر فوت ہو جائے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اجتماعی نظم اور وحدت کو ہر حال میں مقدم رکھیں، کیونکہ انتشار اور بغاوت معاشرے کو فتنہ وفساد کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے خوشی وناخوشی، آسانی وتنگی ہر حال میں اطاعتِ امیر کی تلقین کی ہے، البتہ اگر حکمران کھلے کفر یا صریح معصیت کا حکم دے تو اس میں اطاعت جائز نہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً[8]

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اطاعت کا ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہو گی اور جو اس حال میں مر گیا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

دوسری طرف اسلام حکمران کو رعایا کے بارے میں سخت جواب دہ قرار دیتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَيَنْصَحُ، إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ[9]

کہ جو شخص لوگوں کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کے لیے خیر خواہی اختیار نہ کرے، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران پر عدل قائم کرنا، رعایا پر نرمی کرنا، ان پر بلاوجہ مشقت نہ ڈالنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ ظلم، زیادتی اور ناانصافی حکمران کے لیے سنگین گناہ ہیں جن پر آخرت میں سخت مؤاخذہ ہوگا۔ اسی توازن کے ساتھ اسلام رعایا کو یہ حق بھی دیتا ہے کہ وہ حکمران کی غلطی پر خیر خواہی کے جذبے سے، حکمت اور نرمی کے ساتھ کلمۂ حق کہے، تاکہ اصلاح کا عمل جاری رہے اور معاشرہ بگاڑ کے بجائے بہتری کی طرف بڑھے۔ اسلام میں حاکم و رعایا کا تعلق اطاعت، خیر خواہی، عدل اور اجتماعی ذمہ داریوں کے حسین امتزاج پر قائم ایک مضبوط شرعی نظام ہے، جو اسلامی ریاست کے استحکام اور معاشرتی فلاح کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔[10]

المبحث الثانی: سیرتِ نبوی ﷺ میں حاکم کے فرائض

1. عدل وقسط کے قیام کی سیرت النبی ﷺ سے عملی مثالیں

رسول اللہ ﷺ کی پوری سیرت عدل، انصاف اور انسانی مساوات کے ایسے کامل نمونوں سے بھری ہوئی ہے جو نہ صرف عرب کے جاہلی معاشرے میں انقلاب لائیں بلکہ آج کے جدید دور اور ہر دور میں بھی معاشرتی اور انتظامی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے عدل کو محض نظریاتی شعار کے طور پر نہیں لیا بلکہ ہر مرحلے پر عملی طور پر نافذ کر کے ایک کامل اخلاقی اور سماجی نظام کی بنیاد رکھی۔ مدینہ کی اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کے قیام کے لیے سب سے پہلا اصول یہ مقرر کیا گیا کہ قانون سب کے لیے برابر ہو، خواہ وہ قریش کا معزز فرد ہو یا کوئی غلام۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ , أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ , فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , فَقَالُوا: مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ , حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ , فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ " , ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ , فَقَالَ: " إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ,أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ , وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ , وَايْمُ اللَّهِ,لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا "[11]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش قبیلہ بنو مخزوم کی ایک عورت کے معاملے میں جس نے چوری کی تھی، کافی فکر مند ہوئے، وہ کہنے لگے: اس کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے کون گفتگو کرے گا؟ لوگوں نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کے چہیتے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے علاوہ کون اس کی جرات کر سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے گفتگو کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ بھی اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی اعلیٰ خاندان کا شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور حال شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے، اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ چوری کرتی تو میں اس کا (بھی) ہاتھ کاٹ دیتا۔

اسی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فاطمہ مخزومیہ کے معاملے میں فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس پر بھی وہی سزا نافذ ہوگی جو دوسروں کے لیے ہے۔ یہ اعلان اس دور کے طبقاتی معاشرے کے لیے ایک عظیم انقلاب تھا۔

معاہدات اور فیصلوں میں بھی عدل کو بنیاد بنایا گیا۔ صلح حدیبیہ میں بظاہر مسلمانوں کے لیے سخت شرائط عائد کی گئیں، مگر یہ بھی عدل اور حکمت کے اصول کے تحت تھیں، جنہوں نے بعد میں امن، دعوت اور معاشرتی استحکام کی راہ ہموار کی۔ آپ ﷺ نے مظلوم کی مدد اور ظالم کو روکنے کو عدل کا لازمی تقاضا قرار دیا، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ[12]

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان اپنی شرائط کی پابندی کریں گے۔"

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، یہودیوں، مسیحیوں اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات اور مدینہ کے معاشی و سیاسی معاملات میں سب کے حقوق کا تحفظ یہ ظاہر کرتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے عدل وانصاف کو ہر معاملے میں مرکزی مقام دیا۔

معلوم ہوا جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ عصر حاضر میں بھی عدل، انصاف، مساوات، مظلوم کی حمایت اور اجتماعی حقوق کے تحفظ کے لیے بہترین نمونہ ہے اور معاشرتی، سیاسی وانتظامی بحران اسی عدلِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بہتر طور پر حل کیے جاسکتے ہیں۔

2. شوریٰ کے ذریعہ فیصلہ سازی: غزوات اور داخلی معاملات کے واقعات

اسلامی ریاست میں شوریٰ کے ذریعے فیصلہ سازی کی روایت بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذاتی زندگی اور ریاستی امور میں شوریٰ کو اصولی حیثیت دی تاکہ ہر فیصلہ جلد بازی یا ذاتی خواہش کے بجائے مشاورت اور علمی غور وفکر کی بنیاد پر ہو۔ شوریٰ کا مقصد مختلف تجربہ کار اور اہلِ بصیرت افراد کی رائے سن کر اجتماعی مفاد میں بہتر حکمت عملی وضع کرنا تھا۔ یہ طریقہ کار ریاست میں عدل، شفافیت اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دیتا تھا۔ غزوات کے مواقع پر شوریٰ کی اہمیت واضح طور پر نظر آتی ہے۔ غزوہ بدر سے قبل حضور اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور ان کی رائے سن کر فیصلہ کیا کہ فوج مکّہ روانہ کی جائے۔ اسی طرح غزوہ احد میں بھی میدانِ جنگ میں حکمت عملی مرتب کرنے کے لیے کمانڈروں سے مشورہ کیا گیا۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ جنگی فیصلے بھی مشورہ کی بنیاد پر اور اجتماعی دانش کے مطابق کیے جاتے تھے، تاکہ زیادہ مؤثر اور منصفانہ نتائج حاصل ہوں۔

شوریٰ صرف فوجی امور تک محدود نہیں تھی بلکہ داخلی اور انتظامی معاملات میں بھی اس کی اہمیت نمایاں تھی۔ مالیاتی، اقتصادی اور سماجی معاملات میں بھی حضور اقدس ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے اور ہر رائے کے عملی اثرات پر غور کرتے۔ متنازعہ یا اختلافی امور میں شوریٰ کے ذریعے عدل وانصاف قائم کیا جاتا، جس سے ریاست میں شفافیت اور عوامی اعتماد مضبوط ہوتا۔ اہم یہ ہے کہ شوریٰ میں ہر رائے کو اہمیت دی جاتی تھی، لیکن حتمی فیصلہ حضور اقدس ﷺ کے اختیار میں ہوتا، جو اللہ کی ہدایت کے مطابق ہوتا۔ یہ اصول بعد میں خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی جاری رہا، جس سے اسلامی ریاست میں فیصلے منصفانہ اور اجتماعی مفاد کے مطابق ہوتے رہے۔ شوریٰ کی یہ روایت نہ صرف فیصلہ سازی کا مؤثر ذریعہ تھی بلکہ اسلامی معاشرت میں اجتماعی شعور، عدل وانصاف اور عقل وتدبر کو فروغ دینے والا اہم نظام ثابت ہوئی۔ حدیث مبارک ہے:

> اور یقیناً کسی معاملے میں حتمی فیصلہ کرنے اور عزم باندھنے سے پہلے مشاورت اور غور وفکر ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ' سے رہنمائی ملتی ہے۔ تاہم جب رسول اللہ ﷺ مشورے کے بعد کسی امر کا قطعی فیصلہ فرمالیتے تو پھر کسی کے لیے جائز نہ تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھ کر رائے دے۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا، اور جب فیصلہ فرما کر ہتھیار پہن لیے تو بعد میں پیش کی جانے والی آراء کو قبول نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ عزم کے بعد اپنے ارادے سے رجوع کرے جب تک اللہ فیصلہ نہ فرمادے۔ اسی طرح واقعۂ اِفک کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ سے مشورہ کیا، ان کی آراء سنیں، مگر حتمی فیصلہ وحیِ الٰہی کے نزول کے مطابق صادر فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر ائمہ کا بھی یہی طریقہ رہا کہ وہ مباح امور میں اہلِ علم اور امانت دار افراد سے مشورہ کرتے، لیکن جب قرآن وسنت کا واضح حکم سامنے آجاتا تو کسی دوسری رائے کو اس پر ترجیح نہ دیتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام اسی اصول کی روشن مثال ہے، جہاں انہوں نے نصِ شرعی کی بنیاد پر فیصلہ کیا اور بعد میں حضرت عمرؓ بھی اس پر متفق ہوگئے۔ مزید

بر آں حضرت عمرؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ وہ اہلِ علم، خواہ وہ نوجوان ہوں یا بزرگ، سے مشورہ لیتے، لیکن جب کتاب اللہ کا کوئی حکم واضح ہو جاتا تو اسی پر توقف کرتے اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے۔[13]

یوں شوریٰ کا نظام اسلامی ریاست میں فیصلہ سازی، اجتماعی شعور اور عوامی اعتماد کے فروغ کا بنیادی ذریعہ تھا، جو آج بھی انتظامی اور سیاسی مسائل کے حل کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

3. بیت المال اور حکومتی وسائل کے استعمال کا نبوی نمونہ

اسلام کا معاشی نظام ایک ہمہ گیر اور متوازن تصور پیش کرتا ہے جس کی بنیاد "بیت المال" کے ادارے پر قائم ہے۔ بیت المال درحقیقت اسلامی ریاست کا وہ مرکزی خزانہ ہے جس کے ذریعے معاشرے کے کمزور، نادار، معذور اور محتاج افراد کی کفالت کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اس تصور کے پیچھے محض مالی نظم نہیں بلکہ ایک گہری اخلاقی اور دینی روح کارفرما ہے، جس کے مطابق معاشرہ ایک جسم کی مانند ہے اور اس کے ہر فرد کی ضروریات کا خیال رکھنا اجتماعی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اسلام میں دولت کو چند ہاتھوں تک محدود رکھنے کے بجائے اس کی منصفانہ گردش کو یقینی بنایا گیا ہے تاکہ معاشی توازن اور سماجی عدل قائم ہو سکے۔

عہدِ نبوی ﷺ میں بیت المال کا نظام سادہ مگر نہایت مؤثر تھا۔ زکوٰۃ، عشر، خراج اور جزیہ جیسی مدات سے حاصل ہونے والی رقوم براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں جمع ہوتیں اور آپ ﷺ انہیں ضرورت مندوں، مساکین، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کے لیے صرف فرماتے۔ اس کے ساتھ ساتھ مجاہدین، سرکاری خدمات انجام دینے والے افراد اور اجتماعی مفاد کے دیگر کاموں پر بھی یہ وسائل خرچ کیے جاتے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی پانے والے تھے، اس لیے آپ ﷺ کے فیصلے ہی قانون کی حیثیت رکھتے تھے اور کسی پیچیدہ انتظامی ڈھانچے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔

آپ ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ بیت المال کی ذمہ داریوں کو واضح کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہو، اس کا مال اس کے وارثوں کو ملے گا، لیکن جو قرض اور بے سہارا اہل و عیال چھوڑ جائے، اس کی ذمہ داری ریاست پر ہوگی۔ اس اصول سے فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معاشرے کے ایسے افراد جو اپنے وسائل سے محروم ہوں، ان کی کفالت بیت المال کے ذریعے کی جائے گی۔ اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں یہ ہدایت کہ اسے مالداروں سے لے کر محتاجوں میں تقسیم کیا جائے، اسلامی معیشت کے اس بنیادی اصول کو نمایاں کرتی ہے کہ دولت کا بہاؤ نیچے کی سطح تک پہنچنا چاہیے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں بیت المال کے نظام کو مزید وسعت اور تنظیم ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی بنیادیں مضبوط ہوئیں، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے ایک باقاعدہ ادارے کی شکل دی، اس کے لیے اصول و ضوابط مرتب کیے اور اس کی شفافیت و احتساب کو یقینی بنایا۔[14]

یوں اسلامی بیت المال کا نظام محض مالیاتی ڈھانچہ نہیں بلکہ ایک فلاحی، اخلاقی اور عدل پر مبنی نظام ہے، جو انسانی ہمدردی، ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری کو یکجا کر کے ایک مثالی معاشی معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے، جنہوں نے مصر کے خزائن کی نگرانی سنبھال کر دیانت، حکمت اور منصوبہ بندی کے ساتھ وسائل کے تحفظ اور منصفانہ استعمال کو یقینی بنایا۔ قرآن میں ہے:

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْۚ-فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ(54) قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىٕنِ الْاَرْضِۚ-اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ[15]

یہ مثال واضح کرتی ہے کہ اسلامی نظام میں وسائل کا استعمال محض عہدہ پانے یا ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ امانت اور خدمت کے لیے ہوتا ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل عرب میں قبائل انتشار اور خود مختاری کا شکار تھے، مکہ اور مدینہ میں شہری ریاستیں موجود تھیں لیکن حقیقی نظم ونسق کا فقدان تھا۔ ہجرت کے بعد رسول ﷺ نے مدینہ میں ایک منظم ریاست قائم کی، جہاں مسجد، میثاق مدینہ اور عقدِ مواخات کے ذریعے سماجی ہم آہنگی پیدا کی گئی۔ اس ریاست میں حکومتی عہدے صرف خدمت کے لیے تھے، نہ کہ ذاتی عزت یا اقتدار کے حصول کے لیے۔

یوں اسلامی حکومت میں امانت داری، دیانت، وسائل کی شفاف تقسیم اور رشوت سے پاک انتظامی عمل بنیادی اصول ہیں۔ حکام کی تربیت، نگرانی اور عوامی حقوق کا تحفظ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ریاست کے وسائل صرف عوامی فلاح و بہبود میں استعمال ہوں اور عدالت و انصاف قائم رہے۔[16]

4. عوامی فلاح، سماجی تحفظ اور مظلوموں کے حقوق کا تحفظ

اسلامی تعلیمات میں عوامی فلاح اور سماجی تحفظ کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ عہد نبوی ﷺ میں ریاست کی ذمہ داریوں میں ہر فرد کے بنیادی حقوق، یتیموں، مسکینوں، محتاجوں اور مزدوروں کی فلاح و بہبود شامل تھی۔ اسلام میں ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام کا نظریہ خیر وشر بنیادی طور پر وحی الٰہی پر منحصر ہے، تاہم بعض کسی فرد واحد کو ذاتی مفاد اپنے معاشرہ اور اجتماع کے مفاد پر قربان کرنے کی تلقین بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی سماجی تحفظ اور عوامی فلاح کے اصول واضح کیے گئے ہیں:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ [17]

"پس انہیں چاہیے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور دشمنوں کے خوف سے محفوظ رکھا۔"

بھوک و افلاس اور بد امنی مضبوط سے مضبوط معاشرے کی بھی بنیادیں ہلا دینے والے عناصر ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو معاشرے میں مشکل زندگی گزارنے والے افراد کے کھانے کا بندوبست کرتے ہیں، ارشاد باری ہے: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا[18] سورۃ الماعون کی مذکورہ بالا آیت کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ بیان کرتے ہیں کہ "جوع" سے مراد غذائی قلت یا نایابی کی حالت اور "خوف" سے مراد جان ومال کی حفاظت کی کمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيْعَةً فَإِلَيَّ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَأَنَا مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ أَرِثُ مَالَهُ وَأَفُكُّ عَانَهُ[19]

"میں ہر مسلمان سے اس کی ذات کی نسبت زیادہ قریب ہوں، جو کوئی قرض چھوڑے یا عیال چھوڑے تو اس کا قرض ادا کرنا یا عیال کی پرورش میرے ذمہ ہے، اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے، اور جس کا کوئی ولی نہیں، میں اس کا ولی ہوں اور اس کے مال کا وارث اور قیدیوں کو چھڑانے والا ہوں۔"

نبی اکرم ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعے یہ اصول قائم فرمایا کہ معاشرے میں قرض دار اور بے وسیلہ افراد کی ذمہ داری اجتماعی طور پر ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ یہ تعلیم اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ کوئی شخص معاشی دباؤ یا غربت کی وجہ سے بد امنی، جرائم یا اضطراب کا شکار نہ ہو۔ اسی طرح یتیموں، بیواؤں اور بے سہارا خاندانوں کی کفالت سے معاشرے میں استحکام، امن اور باہمی ہمدردی کو فروغ ملتا ہے۔ گویا یہ حدیث ایک ایسے نظام کی بنیاد فراہم کرتی ہے جہاں معاشی انصاف اور سماجی تحفظ کے ذریعے بھوک، افلاس اور بد امنی کا مؤثر سد باب کیا جا سکتا ہے۔ سماجی تحفظ میں یتیموں اور محتاجوں کی کفالت کی اہمیت بھی واضح ہے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ[20]

"جو مال اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر بستی والوں سے پس وہ اللہ، رسول ﷺ، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"

اسلامی معیشت میں وسائل کی منصفانہ تقسیم کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ مال چند ہاتھوں میں محدود رہنے کے بجائے معاشرے کے مختلف طبقات تک پہنچے۔ نیز اجتماعی وسائل بالخصوص وہ مال جو ریاست کے ذریعے حاصل ہو، اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ مصارف میں خرچ کیا جائے۔ قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا ذکر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ کمزور اور ضرورت مند طبقات کی کفالت کو ترجیح دی جائے۔ یہ نظام معاشرے میں معاشی عدم توازن کو کم کرتا اور دولت کی گردش کو یقینی بناتا ہے تاکہ بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ۔[21]

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے اللہ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔"

یہ حدیث اسلامی معاشرے میں اخوت، ہمدردی اور باہمی تعاون کے اصول کو اجاگر کرتی ہے، جہاں ہر مسلمان دوسرے کے حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ اس میں ظلم سے بچنے اور دوسروں کو ظلم سے بچانے کی تلقین کی گئی ہے، جو معاشرتی امن کی بنیاد ہے۔ مزید یہ کہ ضرورت مند کی مدد کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ذریعہ قرار دے کر خدمتِ خلق کی اہمیت کو بڑھایا گیا ہے۔ قرآن میں عدالت اور احسان کی اہمیت بیان کی گئی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ۔[22]

"بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، قرابت داروں کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم سے منع کرتا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عدل، احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دے کر ایک متوازن اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کی رہنمائی فرمائی ہے۔ ساتھ ہی فحاشی، برائی اور ظلم سے منع کر کے معاشرتی بگاڑ کے اسباب کو ختم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ آیت انسانی زندگی کے اخلاقی اور سماجی اصولوں کا جامع خلاصہ پیش کرتی ہے۔ زکوٰۃ اور مالی تقسیم کے ذریعے بھی سماجی تحفظ یقینی بنایا جاتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ[23]

"صدقات صرف فقرا، مساکین، وصول کرنے والے، دلوں کو مائل کرنے والوں، غلاموں، مقروضوں، اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں۔"

اس آیت میں زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین کی وضاحت کر کے ایک منظم فلاحی نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقات جیسے فقرا، مساکین اور مقروض افراد کی مدد کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ یوں دولت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعے معاشی توازن اور سماجی استحکام پیدا ہوتا ہے۔ بزرگوں کی خدمت اور والدین کی کفالت بھی سماجی تحفظ کا حصہ ہے:

رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، قِيلَ: مَنْ؟ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ[24]

"جس کے ماں باپ یا کسی ایک پر بڑھاپا آیا اور اس نے ان کی خدمت نہ کی وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

یہ آیات و احادیث ایک ایسے جامع سماجی نظام کی بنیاد فراہم کرتی ہیں جس میں باہمی اخوت، عدل اور فلاح کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے مددگار اور خیر خواہ ہیں، لہٰذا کسی کو ظلم یا محرومی کا شکار ہونے دینا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ قرآنِ کریم عدل، احسان اور قرابت داروں کی مدد کا حکم دے کر ایک متوازن معاشرتی ڈھانچہ قائم کرتا ہے، جبکہ زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعے معاشی کمزوریوں کا ازالہ کیا جاتا ہے تاکہ غربت اور محتاجی کا خاتمہ ہو سکے۔ اسی طرح والدین اور بزرگوں کی خدمت کو لازم قرار دے کر خاندان کے اندر سماجی تحفظ کو مضبوط بنایا گیا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ہمدرد، مستحکم اور پرامن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

5. نظمِ امن و قانون کا قیام: عملی واقعات (میثاقِ مدینہ وغیرہ)

میثاق مدینہ اسلامی ریاست کی تاریخ میں ایک سنگ میل ہے کیونکہ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ دستوری اور آئینی خصوصیات کا حامل بھی ہے۔ اس دستور میں ریاست مدینہ کے تمام طبقات، چاہے وہ مہاجرین ہوں، اہل یثرب کے مسلمان ہوں یا یہودی اور دیگر غیر مسلم، شامل تھے اور ان کے حقوق و فرائض آئینی طور پر طے کیے گئے۔ میثاق مدینہ کی سب سے بڑی خصوصیت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا تسلیم ہے۔ اس میں ہر اختلاف یا تنازع کے حل کے لیے اللہ اور رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اسی طرح، رسول اللہ ﷺ کی حاکمیت کو بھی دستور میں بنیاد بنایا گیا تاکہ تمام ریاستی اختیارات کا مرکز آپ ﷺ ہوں اور ہر قسم کے انتظامی، عدالتی اور دفاعی امور آپ کی رہنمائی کے مطابق انجام پائیں۔ میثاق مدینہ نے تحریری دستور کا تصور بھی پیش کیا، جس میں ریاست کے مختلف شعبہ جات کے لیے آئینی اصول وضع کیے گئے اور ہر سطح پر تقسیم اختیارات کا تصور رکھا گیا تاکہ مقامی سطح پر نظم و ضبط قائم رہے۔ دستور میں آئینی طبقات، سیاسی وحدت، امت مسلمہ کے الگ تشخص اور قانون کی حکمرانی کو واضح کیا گیا۔ علاوہ ازیں، مقامی رسوم و قوانین کا احترام، معاشی کفالت، دفاعی معاہدات، بنیادی انسانی حقوق، مذہبی آزادی، اقلیتوں اور خواتین کے حقوق کی ضمانت بھی میثاق میں شامل کی گئی۔ میثاق مدینہ میں متوازن دستور اور اخلاقی اساس فراہم کی گئی تاکہ ریاست میں قوانین کی پابندی محض رسمی نہ ہو بلکہ اخلاق، روحانیت اور باہمی یگانگت پر بھی انحصار کرے۔ اس دستاویز کے ذریعے مدینہ کو دارالامن قرار دیا گیا اور ریاست میں امن، انصاف، تعاون اور اجتماعی ذمہ داری کے اصول واضح کیے گئے۔ میثاق مدینہ کی یہ عملی حکمتیں نہ صرف اس وقت کے مدنی معاشرے میں نظم و امن قائم کرنے کا ذریعہ بنیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثالی دستور اور فلاحی ریاست کی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔[25]

6. حکومتی اہلکاروں کی نگرانی، احتساب اور اصلاح

اسلامی تعلیمات میں احتساب اور حسبہ کا تصور مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ عربی میں اسے 'الحسبۃ' کہا جاتا ہے اور یہ ریاست و معاشرت میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تاریخِ اسلام کے ہر دور میں محتسب کے ادارے کو ریاستی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے اہم قرار دیا گیا ہے۔ محتسب کا بنیادی فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت معاشرتی اور اخلاقی اصولوں کی حفاظت کرنا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے اور اس میں محتسب کے ادارے کی سرکاری اور قانونی حیثیت معاشرے کے نظم و ضبط کے لیے لازمی ہے۔ احتساب اور عدل ایک دوسرے کے لازمی جز ہیں۔ اسلامی ریاست میں حسبہ کے بغیر عدل و انصاف اور معاشرتی اخلاقیات کا نفاذ ممکن نہیں۔ محتسب کو نہ صرف حکومتی اہلکاروں اور قاضیوں کی نگرانی کا اختیار حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ بازار، معیشت، صحت عامہ، تعلیمی ادارے اور روزگار کے شعبوں میں بھی کرپشن اور بے ضابطگیوں کے انسداد کے لیے فعال کردار ادا کرتا ہے۔ محتسب کا دائرہ اختیار معاشرتی،

اخلاقی، اقتصادی اور انتظامی معاملات تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا فیصلہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے تاکہ معاشرہ برائیوں اور بدعنوانیوں سے پاک رہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ خلافت و امامت کے اس منظم نظام کو عہدِ راشدین میں مزید استحکام اور عملی وسعت حاصل ہوئی۔ بالخصوص حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ادوار میں اس نظام کی تنظیم، توسیع اور تطبیق نمایاں انداز میں سامنے آئی، جہاں عدل، نظمِ اجتماعی اور ریاستی اداروں کی مضبوطی کو فروغ دیا گیا۔ بعد ازاں اموی، عباسی اور عثمانی ادوار میں بھی یہی اصول مختلف صورتوں میں برقرار رہے اور اسلامی ریاستی ڈھانچہ اسی تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ محتسب کے اختیارات میں بازار کی نگرانی، معیارِ اشیاء، قیمتوں، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، کاروباری فراڈ اور ناپ تول کی درستگی شامل تھی۔ علاوہ ازیں، سرکاری اہلکاروں کے کام کا معائنہ، غفلت کی روک تھام اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت بھی اس کے دائرہ اختیار میں تھی۔ محتسب کا ادارہ حکومت اور معاشرت کے لیے ایک فعال احتسابی نظام فراہم کرتا ہے جو کرپشن، ظلم و ستم اور بدعنوانی کے خاتمے کے لیے لازمی ہے۔ یہ نظام شفاف، بلا امتیاز اور نتیجہ خیز ہو تاکہ معاشرہ عدل و انصاف، امن و سکون اور اقتصادی و اخلاقی فلاح کے راستے پر گامزن رہے۔[26]

البحث الثالث: سیرتِ نبوی ﷺ میں رعایا کے فرائض

1. اطاعتِ حاکم کی شرعی حیثیت اور عملی نمونے

اسلامی تعلیمات میں حکام کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کے برابر اہمیت دی گئی ہے اور اسے واجب قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ[27]

ترجمہ کنز الایمان: ”اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔“

لغوی طور پر امامت کا مطلب خلافت یا پیشوائی ہے اور امام سے مراد خلیفہ، امیر لشکر یا معاشرتی و ریاستی نظم و نسق کا ذمہ دار ہے۔ شرعی اعتبار سے امامت اس ریاست کا نام ہے جو دین کے قیام، جہاد، قضاء، حدود کے نفاذ، مظالم کے خاتمے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے نبی ﷺ کی نیابت میں دین کے فروغ کے لیے کام کرتی ہے۔[28]

امامت و خلافت کی مشروعیت کی بنیاد متعدد احادیث پر ہے، جن میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ومن يطع الأمير فقد أطاعني ومن يعص الأمير فقد عصاني“[29]

”جس شخص نے امیر کی اطاعت کی اس نے درحقیقت میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی۔“

اس حدیث میں اسلامی نظمِ اجتماعی کی بنیاد واضح کی گئی ہے کہ شرعی دائرے میں قیادت کی اطاعت دراصل اطاعتِ رسول ﷺ کا تسلسل ہے، جس سے معاشرتی استحکام برقرار رہتا ہے، نیز فرمانِ نبوت ہے:

”اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ“[30]

”تم سنو اور اطاعت کرو، خواہ تم پر ایک حبشی غلام ہی کو امیر مقرر کر دیا جائے، جس کا سر خشک انگور کے مانند ہو۔“

یہ حدیث اس اصول کو اجاگر کرتی ہے کہ قیادت کے احترام اور اطاعت کا معیار نسب یا ظاہری حیثیت نہیں بلکہ نظمِ اجتماعی کا تحفظ ہے، تاکہ معاشرے میں انتشار پیدا نہ ہو۔ نیز حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

"على المرء المسلم السمع والطاعة فيما أحب أو كره إلا أن يؤمر بمعصية فإن أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة"[31]

"مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سننے اور اطاعت کرنے کا رویہ اختیار کرے، خواہ اسے حکم پسند ہو یا ناپسند، البتہ اگر اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت کرنی ہے۔"

اس روایت میں اطاعت کے دائرۂ کار کو متعین کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے تابع ہے، اور کسی بھی غیر شرعی حکم میں اطاعت کی اجازت نہیں، جیسا کہ اس بات کو درج ذیل حدیث بھی واضح طور پر بیان کرتی ہے:

"لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ"[32]

"(خدا کی) نافرمانی کے کام میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیکی اور معروف امور میں ہے۔"

نبی اکرم ﷺ کے وصال پُر ملال کے بعد صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے باہمی مشاورت کے ذریعے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منصبِ خلافت کے لیے منتخب کیا اور اس عمل نے امت میں قیادت کے تعین کا ایک اصولی طریقہ متعین کر دیا جو بعد کے ادوار میں بھی کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا۔ اجماعِ امت اور ائمہ فقہ کی تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اجتماعی نظم کے استحکام، باہمی اختلافات کے ازالہ اور معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ایک عادل اور بااختیار قیادت کا قیام ناگزیر ہے، جو شریعت کے اصولوں کے مطابق نظامِ زندگی کو منظم کر سکے۔[33]

اسلامی فقہاء اور علماء کرام جیسے ماوردی اور ابن تیمیہؒ کے مطابق، امامت فرض کفایہ ہے اور اس کے قائم ہونے پر باقی مسلمانوں پر فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اطاعت کا دائرہ نیکی کے کاموں تک محدود ہے اور نافرمانی کے احکام میں اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت کے عملی نمونے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے خلیفہ کی بیعت کی اور ریاستی امور میں اس کی رہنمائی قبول کی۔ یہ اطاعت معاشرتی نظم وانصاف کے قیام اور دین کے فروغ کے لیے بنیادی ستون ہے۔[34]

2. ریاستی قوانین اور اجتماعی نظم کی پابندی

اسلامی معاشرے میں قوانین کی پابندی کو نہ صرف اخلاقی اور معاشرتی فریضہ سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق بھی واجب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ [35]

"اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے والے مت ہو۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واضح کیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ[36]

"اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔"

اسلامی نظام میں نظمِ اجتماعی کی بالادستی اور قانون کی پاسداری محض نظری اصول نہیں، بلکہ عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہؓ میں اس کی عملی تطبیقات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ رسولِ مکرم ﷺ کی قیادت میں جب کسی حکمِ شرعی کا اعلان ہوتا تو اس پر فوری اور کامل عمل کیا جاتا، جیسا کہ حرمتِ خمر کے نزول پر مسلمانوں نے بلاتردد شراب کے برتن توڑ دیے اور معاشرہ اس برائی سے پاک ہو گیا۔ اسی طرح فتحِ مکہ کے موقع پر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت کے دوران چھوڑے گئے اپنے املاک پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بجائے قانون وعدل کی پاسداری کو ترجیح دی، جو ان کے اعلیٰ اخلاق اور اجتماعی نظم سے وابستگی کا روشن و بیّن ثبوت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بھی قانون کے احترام کی نمایاں مثال ہے کہ ایک مرتبہ ان کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی کے پاس ملی، باوجود اس کے کہ آپ خلیفہ وقت تھے، آپ قاضی کی عدالت میں گئے۔ قاضی نے آپؓ کے بیٹے اور غلام کی گواہی قبول نہ کی تو آپؓ اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے۔ اس واقعے نے نہ صرف قانون کی حرمت کو ظاہر کیا بلکہ ایک یہودی کو کلمہ پڑھنے پر مجبور بھی کیا۔ اسلام میں قانون کی پابندی صرف ریاستی قوانین تک محدود نہیں بلکہ عبادات میں بھی یہ اصول موجود ہے۔ نماز میں ایک صف میں امام کی اقتداء، روزہ میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک مفطراتِ ثلاثہ سے پرہیز اور حج کے دوران طواف و سعی میں ضوابط کی پابندی سب مسلمانوں کو قانون کے احترام کا عملی سبق دیتی ہے۔ اسلام میں قانون کی خلاف ورزی کی وجوہات میں اسلامی تعلیمات سے غفلت، خود غرضی، قانون کو کم تر سمجھنا، حب الوطنی کی کمی اور امن و سلامتی کی قدر نہ کرنا شامل ہیں۔ اسلام ان تمام وجوہات کا تدارک کرتا ہے اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کی جواب دہی کا شعور پیدا کرتا ہے تاکہ وہ قانون کی پابندی میں سنجیدہ رہیں۔ اسلامی معاشرے میں قانون کی پابندی اور اجتماعی نظم کے قیام سے نہ صرف افراد کا سکون اور سلامتی قائم رہتی ہے بلکہ پورے معاشرے میں امن و انصاف اور ترقی بھی ممکن ہوتی ہے۔[37]

3. خیر خواہی و نصیحت: رعایا کا حکمران کی اصلاح میں کردار

اسلامی تعلیمات میں حکمران اور رعایا کے تعلقات کو ایک متوازن اور منصفانہ بنیاد پر قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ معاشرے کے نظم و نسق کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے نہ صرف حکمران کی عدل و انصاف کی ضرورت ہے بلکہ رعایا کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمران کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کرے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بارہا حکمران کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ بھلائی کی تلقین کی گئی ہے، نیز تعاون اور نصیحت کی ہدایت بھی۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[38]

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا، حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ حکمران کی اطاعت جائز ہے بشرطیکہ وہ حق اور شریعت کے مطابق حکم دے۔ اسی کے ساتھ رعایا کا فریضہ ہے کہ وہ حاکم کی اصلاح کرے، ان کی بھلائی کے لیے نصیحت کرے اور اگر کوئی ناپسندیدہ حکم آئے تو صبر اور تحمل کے ساتھ معاملہ کرے۔ احادیث مبارکہ میں بھی ایسی تعلیمات ملتی ہیں، جس میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

❖ **حاکم کی اطاعت:** نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ جس نے امیر (شرعی طور پر اہل حاکم وقت) کی تابعداری کی تو گویا وہ ایسا ہے جیسے اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی بات سے روگردانی کی تو گویا وہ ایسا ہے جیسے اس نے میری نافرمانی کی۔[39] اسلامی نظمِ اجتماعی میں 'امام' سے مراد وہ مرکزی قیادت ہے جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی ذمہ دار ہو، خواہ وہ خلیفہ ہو، امیر المؤمنین ہو یا اس کی طرف سے مقرر کردہ کوئی گورنر وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں امورِ ریاست کے لئے اہل اور باصلاحیت افراد ہی کا انتخاب فرمایا۔ تاہم اطاعت کا یہ تصور مطلق نہیں بلکہ شریعت کے دائرے میں مقید ہے۔

❖ **ناپسندیدہ بات پر صبر:** حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے امیر یا حکمران میں کوئی ناپسندیدہ امر دیکھے تو وہ صبر و تحمل سے کام لے اور اطاعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے، کیونکہ جو شخص معمولی حد تک (بالشت بھر) بھی اس اطاعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے، تو اس کا انجام جاہلیت کی موت ہو گا۔[40] یہ حدیث شریف بھی اسلامی نظمِ اجتماعی کی اہمیت کو

واضح کرتے ہوئے رعایا کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتی ہے کہ حکمران میں بعض ناپسندیدہ امور دیکھ کر بغاوت کے بجائے صبر اختیار کیا جائے۔ جماعت سے خروج دراصل ریاستی و دینی نظام کو توڑنے کے مترادف ہے، جو جاہلیت کی خودسری کی طرف لے جاتا ہے۔

❖ **خیر خواہی اور نصیحت:** مسلمانوں کے حاکموں کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ حق بات میں ان کی تابعداری کی جائے اور کسی شرعی وجہ کے بغیر ان کے خلاف بغاوت کا راستہ نہ اپنایا جائے اور عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی یہ ہے کہ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا جائے، اور ان کے مصالح کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔ [41]

اسلام میں رعایا کا کردار صرف اطاعت تک محدود نہیں بلکہ حکمران کی اصلاح، نصیحت، تعاون اور خیر خواہی بھی شامل ہے۔ اس نظام کے تحت معاشرتی امن و امان قائم رہتا ہے اور حکمران و محکوم کے درمیان تعلقات میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ رعایا کی نصیحت اور خیر خواہی حکمران کو عدل و انصاف کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس سے معاشرہ مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقوق پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین [42]

4. دفاعِ وطن اور اجتماعی فرائض میں شرکت

وطن ہمارے لیے ایک عظیم نعمت ہے جس کی قدر اور حفاظت ہر مؤمن پر فرض ہے۔ متحدہ عرب امارات میں ہر سال چھ مئی کو مسلح افواج کے اتحاد کا دن منایا جاتا ہے تاکہ فوج کی قربانیوں اور خدمات کا اعتراف کیا جاسکے اور قوم میں حب الوطنی اور دفاعِ وطن کا جذبہ بڑھایا جا سکے۔ وطن صرف زمین و آبادی نہیں، بلکہ یہ ہمارے رشتوں، جذبات اور تاریخی وراثت کا مرکز ہے، جس کی محبت نبی کریم ﷺ کی مکہ اور مدینہ سے محبت سے بخوبی سمجھ آتی ہے۔ وطن کی محبت صرف جذباتی وابستگی نہیں بلکہ اس کی عملی خدمت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق مومن وہ ہے جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا لحاظ رکھتا ہے اور وطن کی حفاظت بھی ایک امانت ہے۔ اس کے حقوق میں قومی شناخت کا تحفظ، قوانین کی پاسداری، اداروں کی عزت، ترقی میں حصہ لینا اور اس کے دفاع کے لیے جان و مال کی قربانی دینا شامل ہے۔ وطن کی ترقی اور سربلندی تب ہی ممکن ہے جب ہم اس کی خدمت اور اس کی حفاظت کو اپنی زندگی کا جزو قرار دیں۔

دفاعِ وطن کی سب سے اعلیٰ شکل یہ ہے کہ ہم ہر ممکن طریقے سے اس کی سلامتی کو یقینی بنائیں، چاہے وہ الفاظ کے ذریعے ہو، کہ وطن کی خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کے خلاف افواہوں اور ناحق الزامات کو روکا جائے، یا عملی طور پر جان و مال کی قربانی دے کر۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے، جنہوں نے مدینہ کی حفاظت اور قوم کے اطمینان کے لیے ہر ممکن قدم اُٹھایا اور ہمیں اس کی پیروی کرنے کا درس دیا۔ موجودہ حالات میں یکجہتی، وطن سے سچی وابستگی، حکمرانوں کی اطاعت اور اجتماعی ذمہ داریوں کو نبھانا سب سے اہم ہیں۔ رب تعالیٰ کی ہدایت ہے کہ مؤمن اللہ کی اطاعت کرے، اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور جو لوگ صاحب اختیار ہوں، ان کی بھی۔ وطن کی حفاظت اور اجتماعی فریضوں کی ادائیگی نہ صرف دین اور زمین کی حفاظت کرتی ہے بلکہ نسل اور قوم کی عزت و وقار کو بھی برقرار رکھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے وطن کے لیے وفاداری، محنت اور قربانی کے جذبے کو مضبوط رکھنا چاہیے اور ہر ممکن انداز میں اس کی خدمت کرنی چاہیے۔ [43]

5. مالی فرائض (زکوٰۃ، صدقات، بیت المال کے نظم میں تعاون)

اسلام میں مالی فرائض کا نظام معاشرتی انصاف اور فلاح و بہبود کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ زکوٰۃ، صدقات اور بیت المال کے انتظام میں تعاون، نہ صرف فرد کی روحانی پاکیزگی کا ذریعہ ہے بلکہ معاشرے میں غربت اور ناداری کے خاتمے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا اور اسے مستحقین تک پہنچانے کے لیے ایک منظم نظام قائم کرنا اسلامی اجتماعیت کی ترجمانی کرتا ہے۔ دورِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں زکوٰۃ کا نظام مرکزی حکومت کے ذریعے چلایا جاتا تھا، جہاں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ خلیفہ کے ذریعے جمع اور تقسیم کی جاتی تھی،

جبکہ اموالِ باطنہ کے بارے میں مالکان کو بااختیار چھوڑا گیا۔ جدید صورت حال میں، جہاں مسلم حکمران اکثر شرعی فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کرتے ہیں، وہاں زکوٰۃ کو اجتماعی طور پر ادا کرنے کے لیے کوئی ادارہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس ادارہ میں زکوٰۃ کو جمع کرنے، اس کی مالیت کا تعین کرنے اور شرعی مصارف کے مطابق تقسیم کرنے کا کام قابل اعتماد اور شرعی ماہرین کی نگرانی میں ہونا چاہیے تاکہ فریضہ صحیح طور پر ادا ہو اور اس کے فوائد معاشرے کے تمام مستحق افراد تک پہنچیں۔ زکوٰۃ کی بروقت ادائیگی بھی ایک اہم پہلو ہے۔ مالِ زکوٰۃ سال پورا ہونے کے بعد فوری طور پر ادا کرنا واجب ہے تاکہ مستحقین کے حقوق میں تاخیر نہ ہو۔ اگر کسی وجہ سے فوری ادائیگی ممکن نہ ہو، تو شرعی عذروں کے تحت کچھ تاخیر جائز ہے، مگر یہ عام طور پر معمولی مدت تک محدود ہونی چاہیے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات میں نیکی کے کاموں میں جلدی کرنے اور مالِ زکوٰۃ کو بروقت مستحقین تک پہنچانے کی تاکید کی گئی ہے۔

ایسی اجتماعی زکوٰۃ کمیٹیاں یا رفاہی ادارے، جو حکمران کی نیابت میں یہ کام انجام دیتے ہیں، معاشرے میں شرعی نظام مالیات کی تکمیل اور غربت کے خاتمے کے لیے مثالی نظام فراہم کرتے ہیں۔ اس میں شامل افراد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کو جمع اور تقسیم کرنے کے ہر مرحلے میں شرعی اصولوں کی پاسداری کریں اور کسی بھی مالی یا ذاتی مفاد کو مقدم نہ رکھیں۔ اس طرح، اسلامی معاشرے میں مالی فرائض کی صحیح ادائیگی کو یقینی بنایا جا سکتا ہے اور فقیر و مسکین کی ضروریات کی تکمیل ممکن ہو سکتی ہے۔[44]

حاصلِ بحث

مقالہ ہٰذا کے تناظر میں حسبِ ذیل حاصلاتِ بحث سامنے آتے ہیں:

1) سیرتِ نبوی ﷺ حاکم اور عوام کے باہمی فرائض کے حوالے سے ایک متوازن اور جامع نظام پیش کرتی ہے۔ اسلامی تصورِ حکومت میں اقتدار محض اختیار نہیں بلکہ ایک عظیم امانت ہے، جس کا تقاضا عدل، دیانت، مشاورت اور عوامی فلاح کا قیام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم پر لازم ہے کہ وہ انصاف قائم کرے، کمزوروں کے حقوق کا تحفظ کرے، ریاستی وسائل کو امانت سمجھ کر استعمال کرے اور اپنے اعمال میں جواب دہی کا احساس رکھے۔

2) دوسری جانب عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ جائز امور میں حکمران کی اطاعت کریں، نظمِ اجتماعی کی پابندی کریں، خیر خواہی اور اصلاح کے جذبے کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور ریاستی استحکام میں مثبت کردار ادا کریں۔ یہ باہمی تعلق اعتماد، خیر سگالی اور اخلاقی اقدار پر قائم ہوتا ہے، جو کسی بھی معاشرے کی مضبوطی اور بقا کے لیے ناگزیر ہیں۔

3) سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب حاکم اور عوام دونوں اپنی اپنی ذمہ داریاں دیانت داری سے ادا کریں تو معاشرہ عدل، امن اور خوشحالی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ موجودہ دور کے سیاسی و سماجی مسائل کا حل بھی انہی اصولوں کی پیروی میں مضمر ہے۔

سفارشات

اس تحقیق کی روشنی میں حسبِ ذیل سفارشات پیش کی جا سکتی ہے، جن پر عمل درآمد سے ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے جو سیرتِ نبوی ﷺ کے اصولوں کے مطابق عدل، امن اور استحکام کا مظہر ہو:

1. ریاستی نظم میں عدل، شفافیت اور احتساب کو یقینی بنانے کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ کے اصولوں کو عملی پالیسیوں کا حصہ بنایا جائے۔
2. حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشاورت (شوریٰ) کے نظام کو مؤثر بنائیں اور اہم قومی فیصلوں میں اہلِ علم و بصیرت کو شامل کریں۔
3. عوامی فلاح، سماجی تحفظ اور کمزور طبقات کے حقوق کے تحفظ کو ترجیحی بنیادوں پر یقینی بنایا جائے۔

4. حکومتی وسائل کے استعمال میں دیانت، سادگی اور امانت داری کو فروغ دیا جائے، اور بدعنوانی کے خلاف سخت اقدامات کیے جائیں۔
5. عوام میں قانون کی پابندی، نظم وضبط اور اجتماعی ذمہ داری کے شعور کو تعلیم و تربیت کے ذریعے مضبوط بنایا جائے۔
6. نصیحت اور اصلاح کے اسلامی اصول کو فروغ دیتے ہوئے عوام کو پرامن اور تعمیری انداز میں حکمرانوں کی رہنمائی کا حق دیا جائے۔
7. تعلیمی نصاب میں سیرتِ نبوی ﷺ کے سیاسی و سماجی پہلوؤں کو شامل کیا جائے تاکہ نئی نسل میں ذمہ دار شہری ہونے کا شعور پیدا ہو۔
8. ریاست اور عوام کے درمیان اعتماد کے فروغ کے لیے مکالمے، شفاف معلومات اور جواب دہی کے مؤثر نظام قائم کیے جائیں۔

Bibliography:

- Al-Bukhari, Muhammad ibn Ismail. *Sahih al-Bukhari*. Beirut: Dar Tuq al-Najat, 1422 AH.
- Abu Dawud, Sulayman ibn al-Ash‘ath al-Sijistani. *Sunan Abi Dawud*. Beirut: Al-Maktabah al-‘Asriyyah.
- Ahmad ibn Hanbal, Abu ‘Abd Allah. *Musnad al-Imam Ahmad ibn Hanbal*. Beirut: Mu’assasat al-Risalah, 2001.
- Al-Tirmidhi, Muhammad ibn ‘Isa. *Sunan al-Tirmidhi*. Beirut: Dar al-Gharb al-Islami, 1998.
- Muslim ibn al-Hajjaj al-Qushayri. *Sahih Muslim*. Beirut: Dar Ihya’ al-Turath al-‘Arabi; Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 1416 AH.
- Al-Shawkani, Muhammad ibn ‘Ali. *Al-Sayl al-Jarrar*. Vol. 4. Beirut: Dar al-Kutub al-‘Ilmiyyah, 2002.
- Al-Qannawji, Sayyid Siddiq Hasan Khan. *Iklil al-Karamah fi Tabyin Maqasid al-Imamah*. Delhi: Maktabah Islamiyyah, 1956.
- The Qur’an.
- Rashdi, Zahid. “Islami Khilafat: Daleel o Qanoon ki Hukmarani.” *Roznama Islam* (Lahore), January 30, 2012. zahidrashdi.org/2210.
- Rashdi, Zahid. “Islami Nizam-e-Ma‘eeshat aur Bayt al-Mal ka Tasawwur.” *Roznama Islam* (Lahore), March 16, 2016.
- Khan, Karim, Mufti. “Hukmaranon ke Huqooq o Faraiz Seerat-e-Nabawi ki Roshni mein.” *Roznama Dunya*, November 15, 2021. dunya.com.pk.
- Mahmud, Khalid, Dr. “Sarkari Manasib, Wasail aur Zari‘e ka Istemal Taleemat-e-Nabawi ki Roshni mein.” *Sunday Magazine: Roznama Dunya*, August 11, 2020. mag.dunya.com.pk.
- Zakaaullah, Shaykh. “Hukam-e-Waqt ki Ita‘at Ahadith Nabawiyyah ki Roshni mein.” Khatm-e-Nubuwwat Forum, May 2016. www.khatmenbuwat.org.
- Al-Burayr, Salah ibn Muhammad. “Muslim Hukmaranon ke Huqooq o Faraiz.” *Khateeb Mohaddis*, August 9, 2024. khateeb.mohaddis.com.
- Minhaj Books. “Mithaq-e-Madinah ka Aini Tajziyah.” December 8, 2025. www.minhajbooks.com.
- Kalami, Taj al-Din. “Riyasati wa Mu‘ashrati Istihkam ke liye Ihtisab ki Naguziriyat.” *Ilmi wa Tehqeeqi Jaraid*, April 2023. minhaj.info.

- Lahori, Imran Ayub. "Hukkam ki Ita'at aur us ki Shar'i Haisiyat." *Toheed*, September 28, 2025. tohed.com.
- Bayyināt. "Islami Mu'ashray mein Qawaneen ki Pabandi." Jamia Uloom al-Islamia, June 2019. www.banuri.edu.pk.
- Bint Muhammad Munir. "Hakim ke Huqooq." Faizan-e-Umm-e-Attar, January 28, 2025. news.dawateislami.net.
- Sharjah, Maulana Abdul Wahab. "Watan ka Difā' Hum Sab ka Farz hai." *Roznama Islam*, May 4, 2025. dailyislam.pk.
- Madani, Hasan. "Zakat ko Ijtimai Tor par Jama Karna aur Us ki Sarmayakari Kar ke Taqseem Karna." *Mohaddis Magazine*, June 2015. magazine.mohaddis.com.

حوالہ جات:

1 سورۃ ص26:38-

2 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری** ،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:3455-

3 محمد بن اسماعیل البخاری، **الأدب المفرد**، تحقیق: فؤاد عبد الباقی، (بیروت: دار البشائر الاسلامیۃ، 1409ھ)، رقم الحدیث: 1023-

4 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری** ،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:6806-

5 کریم خان، مفتی، **حکمرانوں کے حقوق و فرائض سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں**، (روزنامہ دنیا، dunya.com.pk، 15 نومبر 2021-

6 مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1416ھ)، کتاب الفرائض، باب حق الزوج علی زوجته، رقم الحدیث:4747-

7 ذکاء اللہ، الشیخ، **حکام وقت کی اطاعت احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں**، ختم نبوت فورم، www.khatmenbuwat.org، مئی 2016ء-

8 القشیري، أبو الحسن، مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، (بیروت: دار إحیاء التراث العربي)، رقم الحدیث:1851-

9 ایضاً، رقم الحدیث:4731-

10 صلاح بن محمد البریر، شیخ، **مسلمان حکمرانوں کے حقوق و فرائض**، (خطیب محدث، khateeb.mohaddis.com، 9 اگست 2024ء-

11 الترمذي، أبو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **سنن الترمذی** ،(بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998م، رقم الحدیث:1430-

12 السِّجِسْتاني، أبو داؤد، سلیمان بن الأشعث، **سنن أبي داؤد**، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ)، رقم الحدیث:3594-

13 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری** ،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:7369-

14 الراشدی، ابو عمار، زاہد، **اسلامی نظام معیشت اور بیت المال کا تصور**، (روزنامہ اسلام لاہور، 16 مارچ 2016-

15 سورۃ یوسف54:12-

16 خالد محمود، ڈاکٹر، **سرکاری مناصب، وسائل اور ذرائع کا استعمال تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں**، سنڈے میگزین: روزنامہ دنیا، mag.dunya.com.pk، 11 اگست 2020-

17 سورۃ القریش03:106-

18 سورۃ الدھر08:76-

19 السِّجِسْتاني، أبو داؤد، سلیمان بن الأشعث، **سنن أبي داؤد**، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ)، رقم الحدیث:2900-

20 سورۃ الحشر07:59-

21 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری** ،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:2442-

22 سورۃ النحل90:16-

23 سورۃ التوبۃ60:09-

24 القشيري، أبو الحسن، مسلم بن الحجاج، **صحيح مسلم**،(بيروت: دار إحياء التراث العربي)، رقم الحديث:2551-

25 منہاج بکس، **میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ**، www.minhajbooks.com، 8دسمبر2025-

26 کالامی، تاج الدین، **ریاستی و معاشرتی استحکام کے لیے احتساب کی ناگزیریت**، علمی و تحقیقی جرائد، minhaj.info، اپریل2023-

27 سورۃ النساء59:04-

28 القنوجی، نواب صدیق حسن خان، **إكليل الكرامة في تبيان مقاصد الإمامة**،(دہلی: مکتبۃ اسلامیۃ، 1375ھ)، ص23-

29 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:2957-

30 ایضاً، رقم الحدیث:7142-

31 الشيباني، أبو عبد الله أحمد ابن حنبل، **المسند**،(بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولىٰ، 1421ھ)، رقم الحديث:4668-

32 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:7257-

33 الشوکانی، محمد بن علی، **السیل الجرار**،(بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1423ھ)، 504/4-

34 لاہوری، عمران ایوب، **حکام کی اطاعت اور اس کی شرعی حیثیت**،(tohed.com، 28ستمبر2025-

35 سورہ ھود85:11-

36 سورہ محمد33:47-

37 بینات، **اسلامی معاشرے میں قوانین کی پابندی**، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، www.banuri.edu.pk، جون2019-

38 سورۃ النساء59:04-

39 بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الأولی، 1422ھ)، رقم الحدیث:2957-

40 ایضاً، رقم الحدیث:7053-

41 الشيباني، أبو عبد الله أحمد ابن حنبل، **المسند**،(بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولىٰ، 1421ھ)، رقم الحديث:16940-

42 بنت محمد منیر، **حاکم کے حقوق**،(سیالکوٹ: فیضان ام عطار گلبہار، news.dawateislami.net، 28جنوری2025-

43 مولانا عبد الوہاب، **وطن کا دفاع ہم سب کا فرض ہے**، روزنامہ اسلام، dailyislam.pk، 4مئی2025-

44 مدنی، حسن، **زکوۃ کو اجتماعی طور پر جمع کرنا اور اس کی سرمایہ کاری کر کے تقسیم کرنا؟**،(magazine.mohaddis.com، جون2015-